

# مطالعہ اسلامیات کی تنظیم جدید

(شبیہ احمد خان غوری۔ ایم۔ اے، ایل ایل بی۔ سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی یوپی)

اسلامیات کا مفہوم اور اسی طرح اس کا مصداق معلوم ہے اور ان کی وضاحت کے لئے کسی رسمی تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ قدیم تعلیم یافتہ حضرات میں یہ شعبہ علم "علوم اسلامیہ" کے نام سے موسوم ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں "اسلامک اسٹڈیز" کے نام سے۔ اصولی طور پر دونوں کو عین یکدگر ہونا چاہیے مگر واقعات نے انہیں دو ممتاز شعبے بنا دیا ہے۔

"علوم اسلامیہ" جن کی درس گاہیں آج بھی برصغیر میں مدارس عربیہ کے نام سے مشہور ہیں، قدیم اسلامی نظام تعلیم کا تسلسل ہیں جس میں زمانہ کے بدلتے ہوئے غیر شعوری تغیرات کے پیش نظر نہایت خاموشی سے مگر تفل طور پر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، چنانچہ آج کسی بڑی سے بڑی دینی درس گاہ کو بھی حتیٰ کہ اگر وہاں حدیث کی تعلیم کو بھی اولین حیثیت حاصل ہو، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مسجد نبوی کے مماثل ہے۔ پھر بھی اس حقیقت سے کسی طور پر انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اسی کا تسلسل۔

اس کے برعکس یونیورسٹیوں میں "اسلامک اسٹڈیز" کی تعلیم اور انجام کار ان کے مستقل شعبوں کا قیام یورپ کی جامعات کی تقلید ہے۔ اگرچہ ان مقلدوں کے پیش نظر وہ مقاصد نہیں ہیں جو متشرعین اس نظام تعلیم سے اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اور چونکہ ایک جانب عقیدت مندی اور خوش فہمی کی افراط ان شعبوں کے سربراہوں کو اپنے یورپی اساتذہ کے مقاصد جو اکثر حالات میں "مقاصد مشومہ" کا مصداق رہے ہیں، کی تحقیق اور اس تحقیق کے نتیجے میں ان کی پردہ دری سے مانع ہے اور دوسری جانب حمیت قومی اور غیرت ملی ان "مقاصد مشومہ" کے اتباع اور اس کے نتیجے میں قوم فروشی کی اجازت نہیں دی، اس لئے یہ ہمارے جامع نظام تعلیم کا ایک بالکل بے مقصدی شعبہ بن کر رہ گیا ہے۔ اگرچہ حکومت ہر جگہ ان کی تنظیم اور نگہداشت پر اسی فراخ دلی سے صرف کرتی ہے، جس طرح

تعلیم کے دوسرے شعبوں پر، محو نتیجہ صغریٰ رہتا ہے۔ کیوں کہ اساتذہ کے پیش نظر اپنی ملازمت برقرار رکھنے سے بلند تر اور کوئی مقصد تعلیم نہیں ہوتا۔ لیکن اس مسئلہ کا ایک پہلو جو جب اطمینان بھی ہے؛ وہ یورپی مشرقین کی کتنی ہی کورانہ تقلید پر پھر کیوں نہ ہوں، کم از کم غیرت قومی اور حمیت ملی ان میں اس درجہ مردہ نہیں جو جاتی کہ ”منہاجِ تعلیم“ کے ساتھ ساتھ وہ اُس مقصد تعلیم کو بھی اپنائیں جو مغربی استعمار کی وسیلہ کاریوں کے پیش نظر رہا ہے۔ پھر طبیعیات کے اساتذہ و تلامذہ کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایٹمی توانائی کو زیادہ سے زیادہ پُر امن مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے قابل ہو جائیں یا جو ہری بم بنا کر اپنے ملک کی دفاعی طاقت میں اضافہ کریں، اقتصادیات کے طلبہ کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ اقتصادی قوانین میں تبحر حاصل کر کے اپنے ملک کی اقتصادی خوش حالی کی ترقی میں خدماتِ شائستہ انجام دیں۔ اسی طرح ہر شعبہ تعلیم کا حال ہے۔ حتیٰ کہ قدیم مدارسِ عربیہ کے طالب علموں کے پیش نظر کم از کم اتنی بات تو ضرور رہی رہتی ہے کہ اسلام کی بتائی ہوئی شاہراہِ عمل پر گامزن ہو کر دنیا اور عقبیٰ کی زندگی کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کریں تاکہ یہ دنیا جیسی بھی گزرتے آنے والی زندگی میں تو اپنے پروردگار کے سامنے سرخرو ہو کر جائیں اور آخرت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں۔ مگر شعبہ اسلامیات کے طلبہ ہوں یا اساتذہ، ان کے پیش نظر کوئی مقصد نہیں ہوتا؛ آخر وہی زندگی کی کامیابی اور فلاح و بہبود کا تصور نام نہاد ”سیکولرزم“ کے تقاضوں کے ساتھ کسی طرح ہم آہنگ ہو ہی نہیں سکتا، رہی دنیاوی زندگی کے خوب سے خوب تر بنانے میں اس کی استعانت، تو نہ تو یہ لوگ اپنے یورپ سے پیشواؤں کی تقلید میں اسے اسلام اور عالم اسلام کی کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ذریعہ بنانے اور اس طرح انہیں کمزور تر کرنے کا تصور کر سکتے ہیں اس سے ان کی قومی غیرت مانع ہے اور نہ ان کمزوریوں کی تلافی کا کوئی واضح اور قابل عمل پروگرام ہی بنا سکتے ہیں۔ خود مدبرینِ ممالک اور ماہرینِ تعلیمات نے اس مسئلہ پر ہنوز سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔

یورپ میں السنہ شریفیہ کے ساتھ امتناء کے سلسلے میں مشرقین کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں عرصہ سے جاری ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان مشرقین میں اب اسلام اور اہل اسلام کے خلاف نہ وہ عناد پایا جاتا ہے، نہ ان کی تحریروں میں وہ زہر افشانی ہے جو صلیبی عہد کے علماء یورپ کا طرہ امتیاز تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سنجیدہ محققین کی علم دوستی اور حق پسندی کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ یورپ کے ان باغی شاگردوں کی بنیاد کار و عمل ہے، جس کے ساتھ ان سر پھرے تلامذہ نے اصل ماخذ و مصادر سے مراجعہ کے بعد اپنے اساتذہ کرام

کی بیسہ کاریوں کو بے نقاب کر دیا۔ اس لئے مصلحت بینی و مصلحت کوئی کا تقاضا ہے کہ ”کتمان حق“ پر اظہار و اعتراف حق کی ترجیح کی ”میکینک کو اختیار کیا جائے۔ حالانکہ آج بھی اس کی پیش کش میں کسی بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کے اندر کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی جاتی۔

بہر حال یہ صورت حال ہے ”اسلامک اسٹڈیز“ کی سرگرمیوں کی۔ جہاں تک یورپی جامعات کا تعلق ہے، ہمیں نہ اس کے خلاف شکوہ سنجی کا حق ہے (کیوں کہ ان کے مصالح کا صحیح یا غلط تقاضا ہی یہی ہے) اور نہ ہمیں اس کی اصلاح کا اختیار۔ البتہ مشرقی ممالک میں اس کی اصلاح ہو سکتی ہے، بلکہ قومی و ملی فریضہ کی حیثیت سے واجب ہے اور اس کے لئے ہمارے مدبرین ممالک، ماہرین تعلیمات اور دوسرے ارباب فکر و نظر کا اختیار بھی ہیں۔

اس وقت کیفیت یہ ہے کہ یا تو ہماری جامعات میں ”اسلامک اسٹڈیز“ کا نظام (بشمول نصاب منہاج تعلیم، یورپی انداز پر استوار کیا گیا ہے، یا پھر عربی مدارس کے کچھ شعبوں یا مخصوص ان شعبوں کی جو علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس سے متعلق ہیں، جدید نظام تعلیم میں قلم کاری کی جا رہی ہے، اور اس طرح جو نیا شعبہ ظہور میں آتا ہے، اس کی سربراہی یا تو ”اہل العمام“ کو تفویض کر دی جاتی ہے، جو یونیورسٹی کے احاطہ (CAMPUS) میں ایک چھوٹا سا (NUCLEAR) مدرسہ قائم کر دیتے ہیں، یا پھر انتظامی سربراہی علوم جدیدہ کے کسی روشن خیال فاضل کے سپرد کر دی جاتی ہے، جو تعلیمی فرائض کی انجام دہی کچھ ”اہل العمام“ سے اور کچھ جدید تعلیم یافتہ فضلا سے کراتا ہے۔ رہتی مقصدیت تو دونوں صورتوں میں بے مقصدی پن کا مصداق رہتی ہے، نصاب، میکینک، اور منہاج یا تو وہی فرسودہ مدرسہ رہتے ہیں جو اپنے یہاں مفید ہوں تو ہوں، مگر یونیورسٹیوں کے احاطہ (CAMPUS) کے اندر ایک مضحکہ خیز تماشا بنے بغیر نہیں رہ سکتے، یا پھر ایک قسم کی مچھن مرکب ہوتا ہے جس میں ”طرفی“ تو بہت کچھ ہوتی ہے مگر نہیں ہوتا تو ”اسلامی پن“۔

لیکن یہ کوئی پسندیدہ صورت حال نہیں ہے اور ضرورت ہے کہ ارباب فکر و نظر یا مخصوص یونیورسٹیوں کے ماہرین تعلیم جو نہ صرف نظام تعلیم، بلکہ پورے معاشرے کی اسلامی تصورات و اقدار حیات پر تعمیر نو کرنا چاہتے ہیں، اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائیں، اس سلسلے میں ایک بند تر اور مقدس تر مقصد کو اپنا نصب العین ٹھہرائیں، اور اس مقصد حلیل کے لئے نصاب اور منہاج کی از سر نو تشکیل کریں۔

جہاں تک ”اسلامیات“ کی تعلیم کے مقصد کا تعلق ہے، اس باب میں دورائیں نہیں ہو سکتیں کہ اس کا

مقصد انفرادی طور پر اصلاح معاش و معاوضہ اور اجتماعی طور پر علاقے کلمتہ الحق۔ لیکن کیوں کہ ان مقاصد جلیلہ کے تحقق کے مناسبت مختلف ہو سکتے ہیں اور زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ ان مناسبت کی تعیین و تشکیل جدید میں وقتی ضروریات کا موثر ہونا بھی فطری ہے، اس لئے نہ تو کسی بندھے ٹکے اندازِ تعلیم پر اصرار متحسن ہے اور نہ کسی رعایتی نصاب پر جو اپنے وقت میں ضرور مفید رہا ہوگا، مگر زمانہ کے بدلتے ہوئے رجحانات و میلانات کے پیش نظر اس کا اپنی افادیت کھودینا ایک قدرتی امر ہے۔ لہذا اندازِ تعلیم اور اس سے زیادہ نصاب کی تشکیل جدید کے لئے ہمیں مقصدِ تعلیم کو رہنما اُسوں بناتے ہوئے اس پر وقتاً فوقتاً نظر ثانی کرنا ضروری ہے، اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارا ایک شان دار اور تابناک ثقافتی ماضی رہا ہے جس سے دست بردار ہونا اپنی قومی و ملی شخصیت سے دست بردار ہونا ہے۔ بے شک ہمارے قومی ورثہ کا بہت بڑا عنصر آج کی دنیا میں صرف تاریخی اہمیت کا حامل رہ گیا ہے اور اپنی افادیت کا بیشتر حصہ کھو چکا ہے۔ مگر نہ کہ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قوموں کے مستقبل کی استوار اور دیر پا تعمیر ان کے ماضی ہی پر ممکن ہے۔ اپنے ماضی سے بیگانہ ہو کر غیروں کے "حال" پر اس کی تاسیس نہ صرف قومی غیرت و وحدت کے فقدان کی دلیل ہے بلکہ اپنے قومی وجود کی بقا کے لئے بھی مہلک ہے۔

بہر کیف "مطالعہ اسلامیات کی تنظیم جدید" میں سب سے اہم مسئلہ اس کے نصاب کا ہے۔ یہاں ان نزاعوں اور بحثوں کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے جو اس سلسلے میں ہمارے منکرین و مصلحین اور تعلیمات کے قدیم اور جدید ماہرین کے درمیان گرمی مناظرہ کا موضوع رہی ہیں۔ ہمیں نمونہ کے لئے ایک قابل عمل نصاب مرتب کرنا ہے مگر اس فراخدلی کے ساتھ کہ نہ صرف آئندہ، بلکہ اس وقت بھی اگر ضرورت داعی ہو تو یہ اربابِ فکر و نظر کی اصلاح و ترمیم کا موضوع بن سکتا ہے۔ اسی جذبے کے ماتحت ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس غرض سے مروجہ نصابوں میں سے ایک نصاب کو آئندہ ترتیب نصاب کی اساس بنا کر متحسن معلوم ہوتا ہے اور میرے خیال میں اس کام کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے نصاب کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے۔

دوسری یونیورسٹیوں کی طرح علی گڑھ کی جامعہ تعلیم بھی تین تین منزلوں میں منقسم ہے: بی اے، ایم اے اور ریسرچ (یا ڈاکٹریٹ)، ان میں سے مرکزی اہمیت ایم اے کے نصاب کو حاصل ہے۔ بی اے کا نصاب گویا اس کے لئے ایک طرح کی تیاری ہے اور ڈاکٹریٹ کے لئے کسی خصوصی موضوع پر تحقیقی کاوش ایک

طرح کا خاکہ۔

ایم اے کی مدت تعلیم دو سال ہے۔ ہر سال کے اختتام پر ایک یونیورسٹی امتحان ہوتا ہے۔ ہر امتحان میں چار چار پرچے ہوتے ہیں اور ہر پرچہ کی تیاری کے لئے ایک نصاب ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پریولس میں چار پرچے ہیں اور سوائے پہلے پرچہ کے باقی تینوں لازمی ہیں۔

پہلا پرچہ ابتدائی عربی کا ہوتا ہے۔ مگر جو امیدوار عربی سے واقف ہوتے ہیں انہیں ابتدائی عربی کے بجائے "تاریخ ادب عربی" کا مضمون لینا ہوتا ہے۔

دوسرا پرچہ عربوں کی ثقافتی تاریخ کا ہوتا ہے، جس کا زمانہ بعثت اسلام سے لے کر سقوط بغداد (۶۵۶ھ یا ۱۲۵۶ء) تک ہے۔ بعثت اسلام کے پس منظر کے طور پر "عرب جاہلیتہ" کی تاریخ کا بھی تعارف کرا دیا جاتا ہے۔

تیسرا اور چوتھا پرچہ سقوط بغداد سے لے کر تترھویں، اٹھارویں صدی مسیح تک کی اسلامی دنیا کی سیاسی و معاشرتی تاریخ پر ہیں؛ جو چھ پرچہ ہندوستان کی تاریخ پر اور تیسرا پرچہ "مغربی ایشیا" (باستانائے عرب ممالک) کی تاریخ پر مؤرخ الذکر (یعنی تیسرا پرچہ) تین حصوں پر مشتمل ہے، وسط ایشیا کی تاریخ، ایران کی تاریخ اور ترکی کی تاریخ۔

فائن میں بھی چار پرچے ہوتے ہیں، جنہیں سات پرچوں میں سے منتخب کرنا ہوتا ہے۔ یہ سات پرچے حسب ذیل ہیں:-

- ۱:- ابتدائی عربی، اُن طلبہ کے لئے جنہیں پریولس میں پہلے پرچہ کے اندر ابتدائی عربی کا مضمون لینے کی اجازت تھی۔
- ۲:- اسلامی دینیات (علم، اسلام نیز دیگر علوم دینیہ) اور فقہ کا ارتقاء (DEVELOPMENT)
- ۳:- اسلامی فلسفہ اور عرفانیات (تصوف) کا ارتقاء۔
- ۴:- اسلامی سیاسی افکار اور ادارت۔ ۵:- عربوں کی تاریخ نگاری اور جغرافیہ نویسی۔
- ۶:- مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے معاصر واقعات (حالیہ تحریکوں اور موجودہ تاریخ) کا اجمالی جائزہ۔
- ۷:- اسلامیات سے متعلق کسی موضوع پر ایک مقالہ یا مضمون۔

اس نصاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ

اولاً:- اس کے لئے عربی زبان سے واقفیت شرط ہے۔ اگر طالب علم عربی سے واقف نہیں ہے تو اس

کے لئے دو سال تک عربی پڑھنا اور اُس سے فی الجملہ آشنائی ہم سب کو بچانا ضروری ہے اور اگر واقف ہے تو اُسے عربی ادب کی تاریخ سے مزید واقفیت حاصل کرنا ہے۔

ثانیاً، نصاب کی دو جاعتوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے:-

(الف) اسلام کے ماضی کی (سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور علمی و ادبی) تاریخ۔

(ب) موجودہ اسلامی ممالک کی سیاسی و اقتصادی حالت کا جائزہ جس کا نمونہ نائل کے چٹے پرچہ میں ملتا ہے۔ نصاب کے یہ دونوں اجزاء مفید ہیں کیوں کہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ایک پائدار اور مفید نظام کی تعمیر ایک شاندار ماضی ہی پر ممکن ہے، اور اس تعمیر فریضہ سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے ماضی کے جملہ کارناموں سے واقفیت شرط اولین ہے۔

اسی طرح ایک پائدار دنیائے اسلام کی تشکیل کے لئے جو دنیا کی امن و آشتی کی واحد ضمانت ہے، اُس کے اجزاء کو لغت سے واقفیت ناگزیر ہے۔ لیکن ہمیں دو یورپ کی طرح اُن کی کمزوریوں کو تلاش کر کے کسی استعماری مقصد کے لئے استعمال کرنا نہیں ہے۔ ہمیں تو خدا پرستوں کے خاندان کے مختلف گھروں میں تعاون پیدا کرنے کے لئے اُن کی مختلف صلاحیتوں کا جائزہ لینا ہے۔ تاکہ ان اجزاء کی تالیف جدید سے ایک ایسی پائدار تیسری قوت وجود میں آسکے جو مشرق و مغرب کے تصادم میں ایک فیصلہ کن عامل یا (DECIDING FACTOR) ثابت ہو سکے اور جس کے ذریعے حکیم مشرق کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تاجنگاہ کا شہر

نہیں بلکہ ہمارے پیش نظر اس سے بھی ایک وسیع تر دنیا ہے، جس کے ڈانڈے خود مشرق و مغرب کے ساتھ منطبق ہیں اور جس کے حدود انڈونیشیا کے مشرقی ساحل سے لے کر مراکش اور نائیجیریا کے مغربی ساحل تک متد ہوں گے (بلکہ ہیں)۔

اس عرض سے ہمیں اسلامیات کے مجوزہ نصاب کی جماعت بندی دو ذیلی شعبوں میں کرنا ہوگی:-

الف ۱- اُمتِ مسلمہ کی قدیم سیاسی و معاشرتی اور ثقافتی و علمی سرگرمیوں کی تاریخ۔

ب ۱- جدید دنیائے اسلام کی سیاسی، اقتصادی، بین الاقوامی اور ملکی سرگرمیوں کا جائزہ۔

مدتِ تعلیم دو سال ہوگی۔ ہر سال کے اختتام پر یونیورسٹی امتحان ہونا چاہیے۔ ہر امتحان میں چار پرچے ہوں گے۔

(۱) پریولیس میں حسب ذیل چار پرچے ہوں گے:-

پہلا پرچہ: عربی زبان کے مبادی۔

اس پرچہ کا معیار اتنا ہونا چاہیے کہ طالب علم عربی زبان کی قدیم و جدید تصانیف سے فی الجملہ مراجعہ کر سکے۔ پرچہ میں حصوں میں منقسم ہونا چاہیے۔

ٹیکٹ: اس میں قدیم کلاسیکل عربی کے ساتھ جدید اور مدرجہ عربی کے بھی امتحانات مشمول ہونا چاہئیں۔ قواعد عربی: صرف و نحو کے مبادی سے فی الجملہ آشنائی۔

عربی ترجمہ: جس کا مقصد طلبہ کو عربی زبان میں، جو ہماری بین الاقوامی زبان ہے، اظہارِ مافی الضمیر کے لئے تیار کرنا ہے۔ تفصیل نصاب متعلق استاد کے مشورے سے مرتب کیا جانا چاہیے۔

دوسرا پرچہ: اسلامی دینیات (قرآن، حدیث، فقہ اور عقائد و کلام)

قرآن کے ضمن میں پارہ عم اور پنج سورہ قسم کا ایک انتخاب۔

حدیث کے ضمن میں فقہی اختلافات اور علمی موضوعات کی بجائے اس بات کو رہنما اصول بنا کر چاہیے کہ اس کا مقصد اصلاحِ معاش و معاد اور انسان کو انسان بنانا ہے۔

فقہ میں کوئی مستند متن اصل عربی کے اندر یا اس کا ترجمہ داخل نصاب ہونا چاہیے۔ اور چونکہ فقہ کا مقصد ایک جامع اور ہمہ گیر دستورِ حیات فراہم کرنا ہے، اس لئے مجوزہ متن کو "عبادات" و "مناکحات" کے ساتھ "معاملات" اور "انتظامیات" پر بھی مشتمل ہونا چاہیے۔ کیا اچھا ہو اگر استاد نگاہیں ہی کاٹنے کے بجائے دورانِ تدریس میں ان "معاملات" اور "انتظامیات" کے تحت میں آنے والی ابحاث کے جدید اور مدرجہ "نظارہ" کی طرف بھی اشارہ کرتا جائے تاکہ طلبہ میں فقہ کے آخری ابواب پڑھنے کے دوران میں بے کیفی کے بجائے لچھی بقرار رہے۔ عقائد و کلام میں بھی کوئی مستند متن داخل درس رہنا چاہیے۔ پہلی منزل میں اسے قیل و قال کا مینوع بنانے کے بجائے ایک تسلیم شدہ اور واجب الاحترام "آئیڈیالوجی" کی حیثیت سے تسلیم دینا چاہیے۔ کلاسیکی قیل و قال کو آئندہ منزل تک کے لئے ملوثی رکھنا چاہیے۔

تیسرا پرچہ: بعثت سے لے کر انقلابِ فرانس تک جو دنیا کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا

ہے، عالمِ اسلام کی سیاسی تاریخ۔

چوتھا پرچہ: بعثت سے لے کر انقلابِ فرانس تک عالمِ اسلام کی معاشرتی و ثقافتی تاریخ۔

دو دنوں پرچوں کے دو دو ترجمے ہوں گے، پہلا ترجمہ ابتداء سے لے کر سقوطِ بلند تک کی تاریخ پر، اور دوسرا

جز سقوط بغداد سے انقلابِ فرانس تک کی تاریخ پر مشتمل ہونا چاہیے۔

(۷) فائنل میں تخصص (SPECIALIZATION) ہونا چاہیے اور نصاب و درجاتوں میں تقسیم ہونا تاکہ طلبہ کو اختیار ہو کہ وہ علوم اسلامیہ کی ثقافتی تاریخ میں تخصص کریں یا کسی اسلامی علاقہ کا مطالعہ کریں۔

### الف) علوم اسلامیہ

علوم اسلامیہ و ذیلی جماعتوں میں منقسم ہیں؛ منقولات اور مقولات۔ طالب علم ان میں سے ایک ذیلی جماعت لے سکتا ہے:- اول: منقولات: تین پرچے ہوں گے۔

۱۔ علوم دینیہ؛ قرآن و تفسیر قرآن، حدیث درجہ اول، فقہ و اصول فقہ، عقائد و کلام۔

اس منزل میں طلبہ کو کسی تفسیر سے (مثلاً مدارک التنزیل سے) آشنا کر دینا چاہیے، نیز تاریخ تفسیر علوم

قرآن اور علماء اسلام کی تفسیری سرگرمیوں کے اجمالی جائزے سے بھی وہ واقف ہو جائیں۔

حدیث کی اہمیت ظاہر ہے اس میں ”رجال“ کی اہمیت کا اضافہ اور کر لینا چاہیے جو ہماری تاریخی ذمہ داری کے احساس کا قابلِ فخر شاہکار ہے۔ اس سلسلہ میں پریولس کے کام کو زیادہ منظم اور مبسوط طور پر آگے بڑھانا چاہیے۔

فقہ کے سلسلے میں اگر ممکن ہو سکے تو اس کا مرتبہ قوانین کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرایا جائے یا کم از کم طلبہ میں اس کی تیاری کے لئے صلاحیت پیدا کی جائے۔ فقہی اجتہاد کا دروازہ کھولنے یا نہ کھولنے کی بیکار نزاع کا آغاز کرنے کے بجائے ہمیں اس امر پر زور دینا ہے کہ یہ اسلامی عبقریت کا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے ہمارا سلا نے قرآن و حدیث سے براہِ راست اخذ کیا تھا اور جس کی تاویل و توجیہ میں انہوں نے ذاتی نفسانیت، ہکراں طبقہ کی باطل خواہگی اور اہل غرض طبقہ (VESTED INTEREST) کی اقتصادی دست برد کے لئے وجہ جواز ہم پہنچانے کے بجائے فطری عدل و انصاف، حریتِ نفس، انسانی مساوات اور بشری اخوت کے اصولوں کو محفوظ رکھا ہے۔

اس منزل میں طلبہ کو اصول فقہ سے بھی فی الجملہ آشنا کر دیا جائے۔ مبسوط کتاب کے بجائے کوئی مختصر

متن مثلاً المنار یا حاسمی ہی ان کی نظر سے گزر جائے تو بڑا اچھا ہو۔

عقائد و کلام کے ضمن میں اگر وقت مساعدت کرے تو کلام کا کوئی متن مثلاً ”طوالح الاوار“ داخل درس

کر دیا جائے تاکہ طلبہ کم از کم اہم کلامی مباحث ہی سے واقف ہو جائیں۔



۲: علوم ادبیہ اور عربی نثر و نظم۔ صرف و نحو، علوم بلاغت، انشاء و ترسل۔  
 نثر و نظم کے ضمن میں پریوس کی طرح قدیم اور جدید عربی کے زیادہ مشکل انتخابات داخل نصاب کئے جائیں۔  
 مقصد یہ ہے کہ طالب علم عربی ادب کے تدریجی ارتقاء سے فی الجملہ مانوس ہو جائے۔  
 صرف و نحو میں منطقی روشنگاری کے بجائے عربی زبان کی بنیادی ساخت سے واقفیت زیادہ اہم ہے پھر  
 بھی ان دونوں موضوعوں پر اگر اردو میں کوئی مناسب کتاب نہ مل سکے تو اصل عربی میں مستند متون درس  
 کے لئے مقرر کئے جائیں۔

علوم بلاغت (معانی بیان بدیع) میں بھی منطقیات کے بجائے ادبیت کو ملحوظ رکھا جائے اور طلبہ  
 پر یہ واضح کر دیا جائے کہ جرجانی کی "اسرار البلاغہ" ہو یا سکاکی کی "مفتاح العلوم" ہمارے اسلاف کو ان  
 کے ذریعہ اسطوکی "کتاب الخطابہ" کا جواب لکھنا مقصود نہیں تھا، بلکہ طالب علم کے جلالیاتی شعور کو منظم کرنا  
 تھا کہ وہ عربی ادب کے منشور و منظوم شاہکاروں کی داد دے سکے اور اس ستائش کو چند فنی مصطلحات  
 میں ادا کر سکے۔ پھر اس جلالیاتی شعور کی تنظیم بھی ان کا مقصد اولیٰ نہیں تھی، مقصد اولیٰ قرآن کے اعجاز کو  
 محسوس کرانا تھا کہ اس کلام کا نظم و نثر کی حدود سے کہیں بلند تر ہے تاکہ یہ بات مذہبی ایمان کے ساتھ ساتھ عقل  
 ایقان سے بھی موید ہو جائے کہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اختراع و اختلاق نہیں ہے بلکہ "منزل جناب اللہ"  
 ہے۔ لہذا اس کی افادیت شکوک و شبہات سے بلند تر ہے۔

انشاء و ترسل کے ضمن میں ادب اور کتاب کے انشائیوں سے فی الجملہ شناسائی مستحسن ہوگی۔

۳۔ علوم تاریخیہ و سیاسیہ: اس پرچہ کے دو جز ہیں۔

(۱) تاریخی ادب، اور (۲) سیاسیات

(۱) جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اب اس باب میں دو رائے نہیں رہیں کہ مسلمانوں نے اس فن کو حق و  
 تحقیق کے اعلیٰ معیار پر مبنی بنایا بلکہ اگر میر و ڈوئس اور چند دیگر یونانی و رومی مؤرخین سے صرف نظر کر لیا جائے  
 تو اس فن کا آغاز مسلمانوں ہی سے ہوا۔ اس کے ساتھ انہوں نے تاریخی تحقیق کے سائنٹیفک اصول وضع کئے۔  
 عام سیاسی تاریخوں کے ساتھ انہوں نے اور بھی اقسام کی تواریخ لکھیں اور یہ تاریخی ادب تین قسموں میں  
 تقسیم ہو سکتا ہے:-

۱۔ واقعہ۔ یعنی عام تواریخ نیز علاقائی تواریخ۔

سوانح و سیر: مختلف شخصیتوں اور طبقات کے تذکرے۔

تاریخ افکار: مختلف علوم نیز انکار کی تواریخ، کتابیات (BIBLIOGRAPHY)

طلب کو ہر صنف کے نمونوں سے آشنا کرایا جائے۔

(۱) اسلام کی سیاسی تفکر کی ثروت میں چار جماعتوں نے حصہ لیا ہے۔

علمائے دین: ان میں سے دو گروہوں نے خصوصیت کے ساتھ سیاسی تعمیر کے ساتھ اکتفا کیا۔

متکلمین نے مسند امامت کے ضمن میں اور

فقہاء نے انتظامیات کے ضمن میں جیسے ماوردی کی "احکام السلطانیہ"

حکمائے اسلام: یہ حضرات افلاطون کی "کتاب السیاستہ" (REPUBLIC) اور "کتاب النوامیس"

(LAWS) کے تراجم سے بہت زیادہ متاثر کرتے تھے اور اسی سے متاثر ہو کر انہوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں

جیسے محقق طوسی کی اخلاق ناصری کا آخری بحث جو سیاست مدن پر ہے۔

ارباب حکومت: بعض وزراء اور دیگر عمال حکومت نے اپنے عملی تجارب کی مدد سے آئین و دساتیر حکومت

مرتب کئے جیسے نظام الملک طوسی کا سیاست نامہ۔

مورخین، مورخین نے تاریخی استقرا کے ذریعے سیاسی و انتظامی اداروں کی تشکیل پر رائے زنی کی۔ یہ تبصرے

کبھی منشر انداز میں لکھے گئے جیسے برنی کی تاریخ فیروز: اسی میں اور کبھی ایک جاتی طور پر جیسے طباطبائی

نے المغزی کے مقدمہ میں کیا ہے۔ اس سلسلہ کی اہم ترین کتاب ابن خلدون کا مقدمہ ہے، جو

فلسفہ تاریخ کا بجا طور پر سنگ بنیاد کہلاتا ہے۔

بہر حال طلبہ کو ان سب اصناف کے نمونوں سے آشنا ہونا چاہیے۔

دوم: مقولات (یا علوم حکمیہ): اس میں بھی تین پرچے ہوں گے۔

۱۔ فلسفہ و حکمت: منطق، الہیات، دیگر علوم حکمیہ، طب

اس سلسلے میں طالب علم کو دو باتوں سے واقف ہونا چاہیے۔

(۱) ہر فن کی اجمالی تاریخ۔

(۲) اس کے شاہرہ علم برداروں کے اہم فکری خدمات۔

طب ایک مستقل اور عملی فن ہے مگر یہاں صرف ایک علمی سرگرمی کی حیثیت سے اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔

۲۔ ریاضی و طبیعیات: قدیم زمانہ میں ریاضی کے چار جزو تھے: حساب، ہندسہ، ہیئت اور موسیقی۔ آج موسیقی فنون جمیلہ میں محسوب ہوتی ہے۔ لہذا اس سے زیادہ اکتانہ نہ کیا جائے۔ ہیئت اپنی وسعت کے اعتبار سے مستقل مطالعہ کی مقتضی ہے۔ لہذا اس پرچہ میں ریاضی کے دو شعبوں ہی سے بحث کی جائے یعنی حساب اور ہندسہ سے حساب میں مسلمانوں نے خواص الاعلاد (THEORY OF NUMBERS) کے سلسلے میں جو کچھ کیا، طلبہ کو اس کے اجمالی تذکرے سے نیز ان کی الجبرائی کاوشوں کے سلسلے میں دوسرے درجہ کی مساوات کے ساتھ ساتھ تیسرے درجہ کی (اور اعلیٰ درجات کی) مساواتوں سے واقفیت فروری ہے۔ اس ضمن میں خیام اور کرخی کی تحقیقات سے فی الجملہ آشنائی ہونا چاہیے۔

ہندسہ کے سلسلے میں ہندسہ مسطحہ (PLANE GEOMETRY) کے ساتھ ساتھ مسلمان فضلاء نے غزوات (CONES) اور ہندسہ کرویہ (SPHERICAL GEOMETRY) کے سلسلے میں جو تحقیقات کی تھیں، ان سے بھی طلبہ کو متعارف کرایا جائے۔ ہندسی اباحت میں سے مثلثاتی مسائل اور ان کے تعلقات بالخصوص شکل قطعہ کو اگلے پرچے کے ساتھ رکھا جائے۔

البتہ طبیعیات بالخصوص علم المناظر کو اسی پرچہ میں شامل کر دیا جائے۔

۳۔ ہیئت و جغرافیہ: اس پرچہ کے دو جز ہیں ہیئت اور جغرافیہ۔

(ا) ہیئت کا جز کم از کم ہندسہ کے ذیل مباحث پر مشتمل ہونا چاہیے۔

علم المثلثات دستوریہ اور کرویہ دونوں کیوں کہ اس فن کا استخراج ہندسہ سے ضرور ہوتا ہے مگر استعمال ہیئت میں ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی ہیتی سرگرمیاں۔ محمد بن ابوالہیثم الفزاری سے لے کر مرزا خیر اللہ بن المہندس تک اجمالی جائزہ، رصد گاہیں، تعمیر، آلات رصدیہ کی اصلاح، ارضاد۔

(ب) جغرافیہ کا جز دو باتوں پر خصوصیت سے مشتمل ہونا چاہیے۔

مسلمان جغرافیہ دانوں کا اجمالی تذکرہ، اور جغرافیائی مسائل کے ارتقا میں ان کی خدمات کا جائزہ۔

(ب) عالم اسلام کا علاقائی مطالعہ

عالم اسلام کا مطالعہ چھ علاقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، طالب علم اپنے لئے ان میں سے ایک علاقہ

منتخب کر لے :-

- ۱ - عرب دنیا -
  - ۲ - مصر و مغرب (شمالی افریقہ) -
  - ۳ - ترکی اور مشرقی یورپ -
  - ۴ - ایران، وسط ایشیا اور افغانستان -
  - ۵ - پاکستان اور برصغیر پاک و ہند -
  - ۶ - ملائیشیا، انڈونیشیا اور چین -
- ہر علاقہ کا مطالعہ مندرجہ ذیل عنوانوں کے تحت کیا جائے گا، جنہیں تین پرچوں میں ماننا لگایا ہے۔

### (۱) سیاسی حالت

- ۱- سیاسی تاریخ (انقلابِ فرانس سے تا این دم)
- الف: انقلابِ فرانس سے پہلی جنگِ عظیم تک - (ب) پہلی جنگِ عظیم سے دوسری جنگِ عظیم تک -
- ج: دوسری جنگِ عظیم سے اب تک - (د) مشہور تاریخی شخصیتیں -
- ۲- دستوری تاریخ -
- الف: سیاسی اور جمہوری شعور کی ابتداء اور ترقی -
- ب: دستور اور آئین کا مطالبہ، موانع، مقادمت و قربانی -
- ج: مختلف آئین جو اب منسوخ ہو چکے ہیں - (د) موجودہ آئین - (۵) انتظامی مشینری -
- و: سیاسی جماعتیں - (ز) مشہور سیاسی شخصیتیں -
- ۳- بین الاقوامی تعلقات -
- الف: استعمار کے زمانہ میں - (ب) استعمار سے نکلنے کی جدوجہد -
- ج: آزادی اور اقوام متحدہ کی رکنیت - (د) امریکہ، انگلستان اور دوسرے ممالک سے تعلقات کی نوعیت -
- ۵: روس، چین اور دوسرے کمیونٹ ممالک سے تعلقات کی نوعیت -
- و: پاکستان اور ہندوستان سے تعلقات کی نوعیت -
- ز: باقی اسلامی ممالک سے تعلقات کی نوعیت -
- ح: تحریکِ وحدتِ اسلامیہ کا آغاز، ارتقاء اور حکومتِ وقت کا اس کے متعلق ردیہ -
- ط: فوجی طاقت -
- ی: مشہور سفارتی شخصیتیں -

۱۰۱۔ جغرافیائی کے اقتصادی حالت :-

۱۔ جغرافیائی جائزہ -

الف: محل وقوع - (ب) وسعت

ج: طبعی حالات، مشہور دریا، پہاڑ، ریگستان اور جزیرے -

د: آب دہوا - (۱۴) انتظامی تقسیم - (۱۵) مشہور مقامات -

۲۔ پیداواری جائزہ -

الف: نباتات و حیوانات - (ب) زرعی پیداوار

ج: معدنی پیداوار (د) حیوانی پیداوار

۳۔ صنعت و حرفت -

الف: ویسی اور چھوٹی صنعتیں - (ب) بڑی اور بھاری صنعتیں -

ج: لوہا، کوئلہ، تیل اور قدرتی گیس (د) بجلی کی پیداوار -

۴: ذرائع حمل و نقل (و) کارخانوں کی اقتصادی تنظیم -

۵: مزدوروں اور مل مالکوں کے مفاد کا تصادم اور متعلقہ مسائل -

ج: ٹریڈ یونین وغیرہ کا نظام -

۴۔ تجارت -

الف: درآمد - (ب) برآمد - (ج) بینک کاری اور صرافہ کا نظام -

د: محاصل، کسٹم، ٹیرن ڈیوٹی وغیرہ - (۱۴) اسٹریٹنگ اور ڈالر علاقوں سے تجارتی لین دین -

۵۔ ملکی دولت -

الف: نظام محاصل، رگان وغیرہ - (ب) سرکاری آمدنی اور مصارف -

ج: مالیات عامہ - (د) غیر ملکی قرضے -

۳۔ مذہبی اور فکری حالت -

:- مذہب -

الف: مختلف مذاہب اور ان کی آبادی - (ب) مذہبی تحریکیں -

ج: مقامی مذاہب اور رسم و رواج کا اسلام پر اثر۔

د: وہابی تحریک۔

۴: مذہب و سیاست کے امتزاج اور تفریق کی متخالف تحریکیں۔

و: وحدتِ دینی کی تحریک۔

۲۔ تعلیم۔

الف: قدیم تعلیمی نظام۔

ب: دینی مدارس۔

ج: جدید تعلیمی نظام، ابتدائی، ثانوی اور جامعہ تعلیم۔ ادارے، تعداد طلبہ و اساتذہ۔ تربیتی

مراکز۔ تعلیمی مصارف۔

د: صنعتی تعلیم۔

۵: انجینئرنگ اور میڈیکل تعلیم۔

و: مذہبی تعلیم۔

ز: تعلیمی تحریکیں اور اصلاحات۔

۳۔ زبان و ادب۔

الف: مقامی زبان یا زبانیں۔

ب: ادب اور ادبی تحریکیں۔

ج: مشہور ادباء و شعراء۔

د: مشہور علماء و مصنفین اور ان کی مشہور تصانیف۔

۵: پریس، اخبارات، رسائل و جرائد۔

و: محکمہ اطلاعات عامہ۔

چوتھا پرچہ تاریخ وحدتِ اسلامیہ کا ہو گا جو ہر طالب علم کے لئے لازمی ہے۔